قرآن کریم پر مستشرقین کے اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ
(پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کی روشنی میں)

An analytical study of the objections of Orientalists to the Holy Qur'an
(In the light of the thoughts of Prof. Dr. Mahmood Ahmad Ghazi)

ڈاکٹر فرحت عزیز[1]
ڈاکٹر ثمینہ سعدیہ[2]

Abstract:

Dr. Mahmud Ahmad Ghazi (1370 AH to 1431 AH / 1950 to 2010) was the embodiment of this dream of Iqbal (7). He was simultaneously a commentator, narrator, educator and researcher of the highest caliber. Dr. Sahib's thoughts and ideas not only give an accurate diagnosis of the disease of the Ummah, but also a glimpse of a seriousness and mature ideology can be clearly felt in them. One of the important qualities of his personality is this, that despite his extensive study and travel around the world, he was not intimidated by any system or ideology other than Islam. Dr. Sahib was an ancient man in the modern era in that he tried to pass on his ancient heritage to modern heirs with utmost honesty, skill and wisdom. There are many facets of Dr. Sahib's thoughts, each of which needs to be discussed in great detail. However, in these lines we have tried to give an overview of the thoughts of the late Dr. Sahib in which he has given an expert analysis and critical review of the the Western scholars and Quran. The Orientalists have consumed all of their efforts to prove Holy Qur'an a human book through their different concerns i.e. Its compilation, formulation, preservation, miracles and organization etc. Even if understanding is good, they have made it negative by objecting on the Holy Qur'an. The present article deals to review some of the criticisms of the Orientalists upon Holy Qur'an which specifically answered by Dr. Mahmood Ahmed Ghazi in his research book 'Muhazirat e Qur'ani'.

Key Words: Orientalists, Objections, Dr. Ghazi, Muhazirat, Collection, Answers, Style.

1۔ اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور۔
2۔ اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زاید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

تحقیق کا مقصد اور اسلوب

اس مقالہ میں مستشرقین کے قرآن پر اعتراضات اور ان کے جوابات کو ڈاکٹر محمود احمد غازی کے فکر و تحقیق کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ تحقیق کا منہج و اسلوب تنقیدی ہے۔

تعارف

قرآن پر کفار مکہ کے اعتراضات محمد ﷺ کے دور سے شروع ہو چکے تھے۔ جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی بہت سی کتابیں ان کے محاضرات و خطبات کی روشنی میں مدون ہوئی ہیں۔ جن میں سے مشہور محاضرات قرآنی، محاضرات حدیث، محاضرات شریعت، محاضرات فقہ، محاضرات سیرت اور محاضرات معیشت و تجارت شامل ہیں۔ تاہم اس مضمون میں ان کے مشہور محاضرات قرآنی میں قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر صاحب کے جوابات تحقیق کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

1۔ تصنیف قرآن

(Arthur Jeffery)آرتھر جیفری نے قرآن کو آنحضورؐ کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قرآن کو خالصتاً انسانی کوشش ثابت کیا جاسکے۔[3] (G.F Moor)جی ایف میور نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضورؐ نے سب کچھ یہودیت یا عیسائیت سے حاصل کیا۔[4]

جمع و تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات درج ذیل مصنفین کی کتب قابل ذکر ہیں۔

(A.T Welch)اے ٹی ویلش۔[5] (George Sale)جارج سیل[6] (Maxin Rodinson) میکسن روڈنسن[7] (Johnstone) جان سٹان[8] (Tor Andra)ٹور آندرے[9] (Henry Stub)ہنری سٹب[10]۔ (Rod Well)راڈویل[11]، (Stannly Lane Pool) اسٹینلے لین پول[12]، (Irung)واشگٹن ارونگ[13]، وغیرہ۔

---

[3] ۔Jeffery, Arthur, Materials for the History and text of the Qur'an (f.t Briel, Lieden 1937, P-47

[4] ۔ Moor, G.F, History of Religions, T&T, Clark Edinbrugh, 1948, P.366-367

[5] ۔A.T Welch, Encyclopedia of Islam, E.J Brill, Lieden, 1986, Vol:V, P.402

F.Bull, Encyclopedia of Islam, Sfacy International London, N.D, Kur'an, Vol:V,P۔Jeffery, Arthur, Materials for the History and text of the Qur'an (f.t Briel, Lieden 1937, P-47

[5] ۔ Moor, G.F, History of Religions, T&T, Clark Edinbrugh, 1948, P.366-367

تمام مستشرقین نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کو حضورؐ کی تصنیف قرار دیں۔[14]

مندرجہ بالا اعتراضات کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات قرآنی میں بیان کرتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں بہت سی چیزیں بائبل سے لی گئی ہیں۔ مغربی مصنفین جو قرآن مجید کو کلام الٰہی نہیں مانتے اور رسول اللہ ﷺ کی تصنیف سمجھتے ہیں وہ بار بار اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ آپؐ نے بائبل سے بہت سی چیزیں نقل کر لی ہیں۔ جس کو انگریزی میں Plagiarism یعنی سرقہ ادبی کہتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی رائے میں اس کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ بائبل میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جو قرآن مجید میں موجود نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بائبل نامی کتاب ان کو مل ہی گئی تھی اور وہ اس میں نقل کر کے لوگوں کو بتا رہے تھے اور لوگ ان باتوں کو بطور وحی الٰہی مان بھی رہے تھے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو چھوڑا وہ کیوں چھوڑا۔ وہ یہ بھی بیان کر دیتے۔ قرآن مجید کو کوئی نئی کتاب نہیں کہتا۔ قرآن کا لانے والا تو کہتا ہے۔ "ما كنت من الرسل" میں کوئی نیا یا انوکھا نبی نہیں ہوں۔ بلکہ اس پیغام کو لے کر آیا ہوں۔ اس لیے قرآن پاک میں بائبل سے جو چیز لی گئی وہ تو قابل اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس چیز کی یاد دہانی مقصود ہوتی ہے اس کو بار بار دہرانا پڑتا ہے لیکن جو چیز نہیں لی گئی وہ قابل غور ہے کہ وہ کیوں نہیں لی گئی۔

---

[5] ۔A.T Welch, Encyclopedia of Islam, E.J Brill, Lieden, 1986, Vol:V, P.402.164
F.A Klen, The religion of Islam , London, 1971, P.5
William Muir, Mohammet and Islam, The Quran and it's compgition and teaching, P.36-37

[6] ۔George Sale, The Kor'an, Commonly called Al-Quran with a preliminary discourse, (Fredrik Press 1899), P:50

[7] ۔Maxin Radinson, Mohammed, Translated by Amme Cale, Allen Lane ( ) P.219-220

[8] ۔Delacy Johnstone, Mohammed and his Power, T &T, Clark, 1961

[9] ۔The Andrea, Muhammad the man of his faith, Translated by therbal Menzel (Jeorge & Ealen Ltd, 1936

[10] ۔Henry stubble, An Account of the rise and progress of mohammetanism with the life of Mohemmed, Luzaeco & Ian , P: 73-74.

[11] ۔Rodwell, F.M, The Kor'an, London 1909, P-47

[12] ۔ Stanely, Lane Pool , The speeches and tablet talks of the Porphet Muhammad ,Macmillan and co, ltd. New York.1955. xxvi

[13] ۔ A.T Welch, Encyclopedia of Islam, E.J Brill, Lieden, 1986, Vol:V, P.402
Washington Irung, Life of Mohammet, Henry G, New York, London,1952,p.24

[14] ۔ kritzick, James, Peter the venerable and Islam, Princton University Press, 1964. P.129
Richard Bell, The Origin of Islam, In its Christian environment, London 1926, P.67

قرآن مجید میں سابقہ کتب کا جہاں انفرادی طور پر ذکر آیا ہے تو الکتاب کے نام سے آیا ہے۔اور بعض کتابوں کا ذکر جمع کے صیغے کیا گیا ہے جیسے۔ کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ-[15] یہاں کتب کا لفظ صیغہ ء جمع میں آیا ہے جو بلا شبہ بہت مناسب اور بر محل ہے کہ یہ سب بہت سی کتابیں تھیں، جن کا ذکر مقصود ہے۔

۱) اب سوال یہ ہے کہ اگر سابقہ نوشتے ملا کر سب ایک ہی کتاب تھی تو ڈاکٹر غازی کی رائے میں دوسرے مقامات پر کتب کا لفظ بصیغہ جمع کیوں استعمال کیا گیا اور اگر یہ سب بہت سی کتب تھیں تو یہاں کتاب بصیغہ واحد کیوں فرمایا گیا۔ یہ بہت اہم سوال ہے اور قرآن مجید کے گذشتہ کتابوں کے ساتھ تعلق کی ایک اور نوعیت کو بیان کرتا ہے۔قرآن مجید کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہے۔رسول اللہ ﷺ کو یہ دعویٰ نہیں تھا کہ وہ کوئی نئے نبی ہیں اور گذشتہ انبیاء کی نفی کرنے کے لیے تشریف لائے۔گذشتہ ساری کتابوں کو تسلیم کرنا اور ان کی حقانیت کا اعتراف کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات کا حصہ ہے۔لیکن ان سب کتابوں میں ایک اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے اور ایک دوسرے اعتبار سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ایک اعتبار سے ان سب کے لیے صیغہ واحد استعمال کیا گیا اور دوسرے اعتبار سے ان کی طرف صیغہ جمع سے اشارہ کیا گیا۔

2) ڈاکٹر غازی کے مطابق قرآن مجید کا ایک اور نام الفرقان بھی ہے۔تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا [16] آپ دیکھیں کہ قرآن اور فرقان دونوں کا وزن ایک ہے۔فرقان کے مفہوم میں بھی دوام اور تسلسل پایا جاتا ہے۔فرقان وہ دائمی کسوٹی ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہو۔اس دائمی کسوٹی کا نام قرآن ہے۔ باقی جتنی کسوٹیاں ہیں وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔یا تو وہ زمانے کا ساتھ نہیں دے پاتیں، یا زمانہ ان کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ہو سکتا ہے کہ وہ ماضی میں فرقان الٰہی رہی ہوں اور ماضی میں ان سے حق و باطل کے درمیان فرقت کرنے میں مدد ملی ہو۔لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حق و باطل مین تمیز کرنے میں ان سے مدد نہیں ملے گی۔

3) ڈاکٹر غازی قرآنی ناموں کی وسعت بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا ایک نام الھدیٰ بھی ہے۔یعنی کتاب ہدایت اور لوگوں کی راہنمائی کرنے والا ضابطہ ہدایت ۔لیکن ھدیٰ کے مفہوم میں دو مختلف سطحیں ہیں جو ہدایت اور راہنمائی کی دو قسطوں یا سطحوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔قرآن پاک میں ہدایت کا لفظ دونوں سطحوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ایک جگہ قرآن پاک میں آیا ہے ھدی للمتقین ، یعنی یہ کتاب ہدایت ہے اہل تقویٰ کے لیے اور دوسری جگہ آیا ہے ھدی للناس ، یعنی یہ کتاب ہدایت ہے تمام انسانوں کے لیے۔ہدایت کے لغوی معنی راستہ بتانے کے آتے ہیں۔راستہ بتانے کے ہر جگہ دو طریقے ہوتے ہیں۔ایک راستہ بتانا ہوتا ہے عام انسانوں کے لیے اور ایک راستہ بتانا ہوتا ہے خاص لوگوں کے لیے۔قرآن پاک ہدایت ہے تمام انسانوں کے لیے پہلے

---

[15]۔ القرآن،۲:۲۸۵

[16]۔ القرآن،۲۵:۱

مفہوم میں کہ راستہ سمجھا دیتا ہے۔ جو سمجھنا چاہے سمجھ لے۔ لیکن ہدایت کا دوسرا درجہ مطلوب تک پہنچا دینے کا ہے۔ جب کوئی انسان راستہ کو سمجھ کر تقویٰ اختیار کرلیتا ہے تو پھر یہ کتاب ہاتھ پکڑ کر اسے منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

4) ڈاکٹر غازی کے النور کے معنی و مفہوم کو بھی قرآن کے نام کے حوالے سے بیان کیا ہے اس کتاب کا نام النور بھی ہے۔ یعنی روشنی، یہ وہ خاص اور واحد روشنی ہے جو اس سفر میں راستہ بتاتی ہے جس کا راستہ کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا۔ کسی اور جگہ سے اس راستے کے لیے روشنی نہیں مل سکتی۔ کفر اور شرک کے اندھیروں میں اور ظلم اور ناانصافی کی تاریکیوں میں، یہ کتاب ایک مشعل نور ہے۔ اسلام کی تعلیم کی رو سے ایمان روشنی ہے اور کفر تاریکی۔ علم روشنی ہے اور جہالت تاریکی۔ عدل روشنی ہے اور ظلم تاریکی۔ یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے، بلکہ حدیث میں آیا ہے۔ الظلم ظلمات یوم القیامۃ، ظلم قیامت کے دن ایک اندھیرے کی شکل میں سامنے آئے گا۔ اس تاریکی میں جو کتاب روشنی فراہم کرے گی وہ یہی قرآن مجید ہے اس لیے اسے النور کہا گیا ہے۔

یہ تو قرآن پاک کے وہ نام ہیں جو بغیر کسی صفت کے استعمال ہوئے ہیں۔ گویا اس کے اپنے نام ہیں۔ ان ناموں کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں اس کے بہت سے اوصاف اور بھی بیاب ہوئے ہیں جو تقریباً پچاس کے قریب ہیں۔ ان سب کا تذکرہ کرنے اور ان کی معنویت بیانی کرنے کے لیے بڑا طویل وقت درکار ہے۔

5) ڈاکٹر غازی قرآن پاک کو جامع کتاب ثابت کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے ان تمام اوصاف میں ایک صفت بے حد اہم ہے اور وہ ہے مہیمن۔ اسی آیت میں ہے جس کا ابھی حوالہ دیا گیا۔ یعنی مصدقا لما بین یدہ من الکتاب ومهيمنا علیہ۔[17] یہ صفت بیان ہوئی ہے۔ مهيمن کے لغوی معنی تو ہیں حاوی یا محافظ، سرپرست اور نگراں، مھیمن عربی زبان کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہے کسی چیز پر حاوی ہو جانا۔ دین کی عمومی راہنمائی اور شریعت کے احکام کی حدود میں اپنے مسائل خود حل کرنا ختم نبوت تقریباً اسی انداز کی چیز ہے۔

جب انسانیت کی تعلیم کا یہ عمل جاری تھا تومختلف قوموں اور قبیلوں کی ضروریات اور مزاج کے مطابق ان کو تعلیم دی جارہی تھی۔ انسانوں میں مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، کوئی سخت ہیں اور کوئی نرم ہیں، کچھ لوگ شریعت کے ایک پہلو سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور کچھ دوسرے پہلو سے۔ کچھ لوگوں کے اندر مادیت کا بہت غلبہ ہوتا ہے اور کچھ لوگ روحانی جذبہ زیادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انبیاء کرام کر بھیجا تو جس قوم کا جو مزاج تھا اس کے حساب سے انہیں شریعت دی گئی۔ اگر آپ توریت کا مطالعہ فرمائیں توآپ دیکھیں گے کہ اس میں احکام بہت سخت ہیں۔ لیکن انجیل کے احکام نہایت نرم ہیں۔ توریت میں مخصوص احکام پر زیادہ زور ہے اور انجیل میں عمومی احکام پر۔ زبور میں مناجاتیں اور دعائیں ہیں۔

17۔ القرآن، ۵:۴۸

یہ گویا تین مشہور آسمانی کتابوں کے تین بنیادی اوصاف ہیں۔ اسی پر آپ بقیہ کتابوں کو بھی قیاس کر لیں۔ قرآن مجید میں یہ تینوں چیزیں موجود ہیں۔ سخت احکام بھی ہیں، نرم ہدایات بھی ہیں اور روح دین پر بھی زور ہے۔ عمومیات کا بیان بھی ہے، شریعت کے مظاہر اور حدود اللہ بھی بتائے گئے ہیں، مناجاتیں بھی ہیں۔ سخت احکام ان کے لیے جن کو ڈسپلن کرنے کی ضرورت ہے۔ نرم احکام ان کے لیے جنہیں نرمی درکار ہے۔ دعائیں اور مناجاتیں ان کے لیے جنہیں تعلق مع اللہ استوار کرنے کی ضرورت ہو۔ اس لیے قرآن مجید ہر زمانہ، ہر دور، ہر علاقہ اور ہر مزاج کے انسان کے لیے ہے، جب ان سب چیزوں کو ملا کر ان پر بیک وقت عمل درآمد کیا جائے گا تو سارے تقاضے بیک وقت پورے ہوتے جائیں گے۔ اس مفہوم میں قرآن پاک مہیمن ہے۔ گذشتہ تمام کتب پر اور ان کتابوں کے تمام بنیادی اوصاف اور مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔

لہٰذا خلاصے کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ یوں جتنے بھی کتاب الٰہی کے علمبرداران گزرے ہیں ان تمام کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور ان کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ یوں قرآن مجید نے ان تمام کتابوں کی بنیادی تعلیمات کا جوہر اپنے اندر اسی طرح محفوظ کر لیا ہے۔ جیسے مرغی اپنے بچوں کو ضائع ہونے سے محفوظ کر لیتی ہے۔[18]

2۔تالیف قرآن

پروفیسر غازی کی رائے میں مستشرقین کے اعتراضات کے مطابق محمدؐ نے مذہبی سودہ کی تیاری میں بلاواسطہ شرکت کی۔ اور اسے کتابی صورت میں لکھنے کی ہدایت کی۔[19] غیر مسلم مصنفین نے اس روایت کو ''کنا نولف'' کو بڑے غلط معنی پہنائے ہیں اور تالیف کو تصنیف کے معنی میں سمجھا ہے۔[20]

اس عمل کی ایک چھوٹی سی مثال بلاشبہ یہ ہے کہ اگر آپ شاعر ہوں مصنف یا مضمون نگار اور کسی کو اپنے شعر یا مضمون کے مختلف اجزاء جیسے جیسے تیار ہو وہ بلا ترتیب دیتی جائیں کہ یہ پہلے یہ حصہ رکھتا ہے اور بعد میں وہ حصہ رکھتا ہے اور جب یہ کام مکمل ہو جائے تو کہیں کہ اب ان سب کو فلاں ترتیب سے لکھ دیں۔ اس پورے عمل میں گویا پہلے ان اجزاء کو چھوٹے چھوٹے پرزوں اور یاداشتوں پر لکھا جائے گا اور پھر آخر میں ان چھوٹے چھوٹے پرزوں سے پوری کتاب کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ یہ عمل صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تسلسل اور باقاعدگی کے ساتھ ہوتا رہتا تھا آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کو

18۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ص:۴۷

19 ۔Bell, Watt, Interoduction to the Qur'an, Translated with critical re Abbengement of the Qur'an, Edinbrugh, 1937, p.39,A.T Welch, Encyclopedia of Islam, vol-v,P.404-5،Jeffery, Materials, P.5

20۔ حاکم، الحاکم ابی عبداللہ بن ابی النیسابوری، المستدرک الا لصحیحین کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۲۹۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱، ۱۹۹۰م، الطبعۃ الاولیٰ، ص:۴۹

مرتب کیا جارہا تھا اور حضورؐ خود بنفس نفیس اس کام کی نگرانی فرمارہے تھے۔ یہی معنی ہیں تالیف کے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت کے الفاظ ہیں۔ کنا نؤ لف القرآن من الرقاع فی زمن النبی۔ یعنی ہم تالیف وتدوین کا کام کیا کرتے تھے۔[21]

3. اختلاف قراءآت

(Jeffery) جیفری نے Materials میں تمام صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ علیہم اور تابعین کرام رحمھم اللہ علیہم سے ۳۹۴۹ آیات میں ۶۰۰۰ مختلف قراءآت قرآنیہ بیان کی ہیں۔ (Encyclopedia of Islam) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں قرآن کی مقالہ نگار نے مصاحف صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ علیہم اور تابعین کرامؒ بیان کرتے ہوئے آرتھر جیفری کی کتاب Materials کو بنیاد بنایا ہے۔[22] آرتھر جیفری نے جن مصادر سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں صحیح اور قابل اعتماد روایات کو بنیاد نہیں بنایا گیا۔[23]

ڈاکٹر محمود احمد غازی اختلاف قراءآت قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا جواب یوں لکھتے ہیں کہ :

> ڈاکٹر حمید اللہ کے حوالہ سے ایک واقعہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ۷۵، ۷۰ سال قبل بعض اہل مغرب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن مجید تو جوں کا توں محفوظ ہے اور مسلمانوں کا یہ دعویٰ کسی طرح بھی قابل تردید نظر نہیں آتا کہ قرآن مجید بعنیہ اسی طرح محفوظ ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ذریعہ سے دنیا کو دے کر گئے تھے جب کہ ہماری آسمانی کتب خاص طور پر بائیبل اس طرح محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں کوشش کرکے قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نکالنی چاہیے جس سے قران میں کسی تبدیلی کا دعویٰ کیا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے جرمنی میں ایک ادارہ (قرآن محل) بنایا گیا۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے اس میں قرآن مجید کے بہت سے قلمی نسخے جمع کیے گئے۔ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک جتنے قلمی نسخے دستیاب ہوئے وہ جمع کیے گئے۔ کہ دوسری جنگ عظیم میں اس پر بم گرا اور یہ تباہ ہوگیا۔ اس کا سارا ریکارڈ بھی تباہ ہوگیا۔ (برجسٹر اسر قرآن محل کا بانی تھا اور پریکشل کے ساتھ اشتراک سے قرآن مجید کی جمع وتدوین کے حوالے سے چند نسخے جمع کیے گئے۔ اور پریکشل بھی اسی ہم باری میں ہلاک ہوگیا) لیکن اس ادارے کی ایک ابتدائی رپورٹ ایک

21۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ص: ۴۹

22 ۔ A.T Welch, Encyclopedia of Islam, vol-v,P.404-431,Jeffery, Materials, Preface

23۔ M.A. Chadhary, Orientalism on varient readings of the Holy Quran, American Journal of Islamic and Social Sciences, 1995, P.176

رسالے میں شائع ہوئی تھی جس کا خلاصہ ایک مرتبہ ڈاکٹر حمید اللہؒ نے مجھے پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ اصل رپورٹ جرمن زبان میں تھی اس رپورٹ میں لکھا تھا کہ قرآن مجید کے جتنے نسخے بھی ہم نے دیکھے ہیں ان میں کتابت کی غلطیاں تو کئی جگہ نظر آتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غلطی صرف آپ کی ہے۔ اختلاف قراءت یہ ہے کہ اگر دس ہزار نسخے ہیں اور ایک ہزار میں وہ لفظ نہیں ہے۔ نو ہزار میں ہے تو پھر یہ محض ایک آدمی کی غلطی نہیں ہوگی، بلکہ یہ اختلاف نسخ ہوگا۔ جہاں تک بائبل کی غلطیوں کا تعلق ہے تو ہم نے اس میں کتابت نظر انداز کردیں، اور صرف اختلاف نسخ پر توجہ دی، اختلاف نسخ کا جائزہ لیا گیا تو کوئی پونے دو لاکھ کے قریب اختلافات نکلے۔ ان پونے دو لاکھ میں ایک بٹا سات یعنی تقریباً ۲۵۰۰ وہ اختلافات ہیں جو انتہائی بنیادی اہمیت کے حامل ہیں جن میں بائیبل کے مطالب اور پیغام پر فرق پڑتا ہے۔ یہ ایک عارضی رپورٹ تھی جو اس ادارہ نے ۱۹۳۹ سے قبل شائع کی تھی۔ بعد میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اور اس دوران بم گرنے سے یہ ادارہ تباہ ہو گیا۔[24] اس امر کی پوری پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا تھا، اسی لیے یہ کتاب آج تک ہر اعتبار سے محفوظ چلی آرہی ہے۔ غیر مسلموں کی اس رپورٹ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید کو صحابہ کرام نے اس طرح دل و جان سے محفوظ کیا کہ اس سے بڑھ کر انسانی ذہن اور دماغ میں کسی چیز کی حفاظت کا طریقہ آ نہیں سکتا۔[25]

4)اعجاز القرآن

قرآن مسلمانوں کی زندگی میں صرف ایک مذہبی مسودہ کی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ عملی طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائے ہدایت لکھی ہے اسی لیے لفظ اِعجا کی ابتدائی بحث اور قرآن کی فصاحت وبلاغت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں معیاری اور جدید کام مصطفی صادق الرافعی کا ہے۔ اس طرح قرآن کی زبان، گرائمر اور نظم ونثر کے اعجاز کو بھی بیان کیا گیا ہے۔[26]

ذیل میں اعجاز القرآن پر ڈاکٹر غازی کے خیالات کو بیاں کیا جارہا ہے۔ وہ کہتے ہیں قرآن مجید کے اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی ایسے بیانات آئے ہیں جن کے بارے میں ہمارے دور کے بعض لوگوں نے شکوک اور شبہات کا اظہار کیا ہے اور مستشرقین نے بھی ان پر بہت سے اعتراضات کا طوفان اٹھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات جو قرآن مجید میں آئی ہے وہ تاریخی حقائق

24۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، تحقیقات اسلامی الجامعہ العامیہ، اسلام آباد، پاکستان، ۱۹۹۹، اشاعت ششم، ص: ۱۵-۱۶

25۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ۱۵۱، ۱۴۹

26۔ A.T Welch, Encyclopedia of Islam , Kur'an, vol-3,P.426

الرافعی، مصطفی صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹، ص ۱۳۹-۱۵۰

کے خلاف ہے مثال کے طور پر ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن یہودیوں کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ وہ تو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، اور نہ ہی یہودیوں کو بارے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے تھے۔ نہ ہی آج کل کے یہودی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہودیوں کا کبھی یہ عقیدہ رہا ہو۔ جب پہلی دفعہ یہ اعتراض سامنے آیا تو مسلمان علماء میں سے بعض حضرات نے اس اعتراض کا یہ جواب کیا کہ جس زمانے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس زمانہ میں یہودیوں میں ایک شخص فنحاص نے یہ دعویٰ کیا تھا۔ کچھ اور حضرات کا کہنا ہے کہ یہودیوں میں ایک فرقہ پایا جاتا تھا جو حضرت عزیر کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا منتا تھا۔ امام رازی اور دوسرے متعدد مفسرین نے غالباً خود اہل کتاب کی روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ جب حضرت عزیرؑ نے گم شدہ تورات دوبارہ اپنی یاداشت سے لکھوادی تو یہودی اس پر ان کے بہت شکر گزار ہوئے اور ان کی عظمت کے اعتراف میں ان کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔ مغربی علماء عموماً مسلمانوں کے اس بیان کی کہ یہودیوں میں ایک فرقہ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا یہ کہہ کر تردید کرتے ہیں کہ ایسا کوئی فرقہ کبھی بھی موجود نہیں تھا۔ مسلمان مفسرین نے اس کا جواب الجواب یہ دیا کہ اگر یہودیوں میں ایسا کوئی فرقہ موجود نہ رہا ہوتا تو یثرب اور خیبر وغیرہ کے یہودی ضرور اس آیت پر اعتراض کرے اور لازماً کہتے کہ یہ بات ان سے غلط طور پر منسوب کی جارہی ہے۔ ان کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان میں ایسا فرقہ موجود تھا۔ یہ واقعی بڑا وزنی اور معقول جواب تھا۔ لیکن چونکہ مغربی مصنفین کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے انہوں نے سرے سے یہ بات ہی ماننے سے انکار کر دیا کہ مدینہ اور خیبر وفدک میں یہودی پائے جاتے تھے۔ ان انہوں نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ مدینہ منورہ اور اس کے شمال کی بستیوں میں جو یہودی رہتے تھے وہ اصل میں یہودی تھے ہی نہیں، اور یہ کہ عرب میں کبھی یہودی آباد ہی نہیں ہوئے۔ جب انہیں یاد دلایا گیا کہ پوری اسلامی تاریخ میں اور خاص طور پر قبل از اسلام اور صدر اسلام میں عرب کی تاریخ میں مدینہ کے یہودیوں کا مفصل اور مسلسل ذکر ملتا ہے تو انہوں نے دعویٰ کر ڈالا کہ یہ لوگ ویسے ہی اپنے آپ کو یہودی کہتے تھے۔ اصلاً وہ یہودی نہیں تھے۔ بلکہ یہودیوں کے ساتھ میل جول، شادی بیاہ اور تجارت وغیرہ کرنے کی وجہ سے یہودی مشہور ہو گئے تھے۔ اور انہون نے یہودیوں کی سی عادات اپنالی تھیں۔ لہٰذا ان کی طرف سے قرآن پاک کے اس بیان پر اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ بات یہودیوں کے ہاں قابل قبول تھی۔ ان اعتراضات کے بہت سے جوابات مسلم علماء دیتے رہے۔ لیکن کبھی بھی مغربی علماء نے ان جوابات سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ بدستور اعتراضات کرتے رہے۔

ڈاکٹر غازی مزید بیان کرتے ہیں کہ آج سے ۵۴ سال قبل اردن کے علاقے میں بڑا عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ Dead Sea جس کو بحر میت (یا بحر مردار) بھی کہتے ہیں اس کے ایک طرف پہاڑ ہے اور پہاڑ کے اختتام پر بحر میت شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے دوسرے کنارے پر اس علاقہ کی حدود شروع ہوتی ہیں جس کو مغربی کنارہ کہتے ہیں جس پر اب اسرائیل نے قبضہ کرر کھا ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وہاں ایک چرواہا رہتا تھا جس کا نام احمد تھا۔ وہ روزانہ اس جگہ اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ اپنی بکریاں

چراتا پہاڑ کے اوپر چلا گیا اور شام تک وہاں بکریاں چراتا رہا۔ جب واپس جا رہا تھا تو ایک بکری گم ہو گئی۔ وہ اس بکری کی تلاش میں نکلا۔ چلتے چلتے اسے ایک غار دکھائی دیا۔ اس نے سوچا شاید بکری غار کے اندر چلی گئی ہے۔ بکری کو بلانے کے لیے اس نے آواز دی تو اندر سے بکری کی آواز آئی۔ وہ غار کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ غار کے اندر چلتا گیا اور بکری بھی آگے آگے چلتی گئی۔ جب خاصا اندر چلا گیا تو اسے کچھ اندھیرا سا محسوس ہوا۔ یہ اپنی بکری چھوڑ کر واپس آ گیا اور اگلے دن کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر گیا اور ساتھ ہی روشنی کا انتظام کرنے کے لے کوئی شمع یا لالٹین بھی ساتھ لیتا گیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا اور بکری کو ساتھ لانے لگا تو اس نے دیکھا کہ غار کے اندر مٹی کے بہت سارے بڑے بڑے گھڑے رکھے ہوئے ہیں۔ اس کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ کوئی پرانہ خزانہ ہے جو یہاں چھپا ہوا ہے۔ اس نے ایک مٹکے میں ہاتھ ڈالا تو اس میں پرانے کاغذ اسی طرح لپیٹے ہوئے رکھے ہوئے تھے جیسے طومار لپیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک کو چھیڑا وہ پھٹ گیا، دوسرے کو چھیڑا وہ بھی پھٹ گیا، ہر مٹکے میں ایسے ہی طومار بھرے ہوئے تھے۔ وہ واپس آ گیا اور اس نے آ کر گاؤں والوں کو بتایا کہ شاید وہاں کوئی خزانہ دفن ہے۔ بہت سے گاؤں والے وہاں پہنچے اور انہوں نے ان مٹکوں میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں بہت کاغذ پھٹ گئے۔

اتفاق سے وہاں ماہرین آثار قدیمہ کی ایک ٹیم آئی ہوئی تھی جو چند مغربی ماہرین پر مشتمل تھی۔ جب انہیں یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ بھی وہاں پہنچے اور ان میں سے بہت سے کاغذات اور کتابیں چرا کر لے گئے۔ مقامی حکومت کو جب ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں روکا اور یہ تمام کاغذات اور کتابیں سرکاری قبضہ میں لے کر ایک مرکز میں رکھ دیں اور ماہرین کی ایک ٹیم مقرر کر اور وہ کاغذوں اور طوماروں کا مطالعہ کر کے دیکھیں یہ کیا کتابیں ہیں۔ کہاں سے آئی ہیں اور کس نے لکھی ہیں اور ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ ان آثار و دستاویزات کا جو حصہ مغربی ماہرین لے گئے تھے انہوں نے بھی ان کاغذات کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ قدیم خطوط اور مذاہت کے ماہرین کو بلوایا گیا۔ انہوں نے بھی ان کتابوں کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو کسی بڑے عیسائی عالم کی ملکیت تھا۔ وہ عیسائی عالم اس زمانہ میں تھا جب عیسائیوں پر مظالم ہو رہے تھے اور یہودیوں کی حکومت تھی۔

یہ حضرت عیسیٰؑ کے ۱۵۰، ۱۰۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔ لوگ اہل ایمان اور صاحب توحید تھے۔ جب ان پر مظالم ہوئے تو یہ اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے اس کتب خانہ کے مالک کو خیال ہوا کہ کتابوں کا یہ قیمتی ذخیرہ لوگ ضائع کر دیں گے۔ اس لیے وہ اس ذخیرہ کو غار میں چھپا کر چلا گیا اور اگر زندگی بچی تو واپس آ کر لے لوں گا۔ اس کے بعد اس کو واپس آنے اور اپنے کتب خانہ کو حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یوں یہ کتب خانہ کم و بیش اٹھارہ سو سال وہاں غاروں میں محفوظ رہا۔ گویا تقریباً سن ۱۰۰ یا ۱۵۰ عیسوی سے یہ کتابیں وہاں رکھی ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ گویا اسلام سے بہت پہلے کا یہودیوں کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا، عیسائیوں کا محفوظ کیا ہوا اور اہل مغرب کا چھاپا ہوا ایک مسودہ مل گیا کہ جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس زمانہ میں یہودیوں میں ایک فرقہ ایسا موجود تھا جو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا مانتا تھا۔

قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ فرعون کے وزیروں میں ایک ہامان بھی تھا۔ لیکن یہودیوں کے کسی لٹریچر سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی تھی کہ ہامان بھی فرعون کا کوئی ہمراز یا وزیر تھا۔ دستیاب قدیم مصری ادب سے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی تھی۔

مغربی مفکرین نے اس پر ایک طوفان اٹھا دیا اور کہا کہ یہ نعوذ باللہ غلط ہے۔ جب یہ بات پھیلی تو مسلمان اہل علم نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن آج سے کچھ سال قبل جب مصر سے وہ دستاویزات نکلنی شروع ہوئیں اور قدیم فراعنہ کے بارے میں ساری معلومات جمع ہو کر سامنے آنا شروع ہوئیں تو آج سے کچھ عرصہ قبل ایک میت دریافت ہوئی جس کے تابوت پر پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی کہ یہ کون شخص ہے اور کس زمانہ کا شخص ہے۔اس میں یہ لکھا ہے کہ اس کا نام ہامان ہے اور یہ اس دور کا ایک بہت بااثر انسان تھا۔اور یہ زمانے میں تھا جس میں فرعون مصر کا حکمران تھا۔اس سے قرآن کے اس بیان کی بھی تصدیق اور تائید ہو گئی۔ایسی اور بھی مثالیں ہیں کہ مغربی اہل علم نے قرآن مجید کے بیان کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن پھر بعد میں ایسے شواہد مل گئے جن سے قرآن مجید کے بیان کی خود بخود تصدیق ہو گئی۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت کو مزید بیان کرنے کے لیے غازی صاحب کہتے ہیں کہ ایک اور چیز جو قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت میں بڑی معنویت رکھتی ہے۔ قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے جو اول سے لے کر آخر تک اپنے اس معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ پڑھنے والے کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کلام کہاں زیادہ اونچا ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اور پہلو، اعجاز قرآن کا، قرآن مجید کی حیرت انگیز تاثیر ہے۔ کسی اور کتاب میں یہ خاصیت نہیں پائی جاتی جو قرآن مجید میں نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے ایک ایک جملے بلکہ ایک ایک لفظ نے انسانوں کی زندگیاں بدل دی ہیں۔ انسانوں کے نظریات، عقائد حتیٰ کہ لباس اور طور طریقے تک بدل دیے ہیں۔ ایسی کوئی اور کتاب تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ چاہے وہ ادبی ہو یا غیر ادبی، مذہبی ہو یا غیر مذہبی۔

قرآن مجید کے اعجاز کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ اس میں انسانی ضرورت کی تکمیل کا لامتناہی سامان موجود ہے۔ انسانوں میں جو لوگ فلسفے سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کو فکری راہنمائی اس کتاب سے مل رہی ہے۔ جو لوگ معاشیات سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کو اپنے

مسائل کا حل اس کتاب سے مل رہا ہے۔ جو لوگ سیاسیات یا قانون سے یا کسی بھی ایسے پہلو سے دلچسپی رکھتے ہیں جو انسان کی افلاح وصلاح کے لیے ناگزیر ہے۔

ایک آخری چیز جو ہم سب جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوااور 23 سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ اس عرصہ میں شاذونادر ہی شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرضی سے جو ہدایات دینی چاہیں وہ دی ہوں بلکہ ہمیشہ ایسا ہوا کہ جب کوئی سوال پیدا ہوا، اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔

جب یہ سارا قرآن مجید مکمل ہو کر سامنے آگیا تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی داخلی تنظیم اور اندرونی ترتیب اب خود ایک معجزہ ہے۔

قرآن مجید کی ہر چیز اپنی جگہ محفوظ ہے۔ عربی زبان بھی محفوظ ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ کی سب زبانیں یا مٹ چکیں یا بدل کر کچھ سے کچھ ہو گئیں۔ صرف عربی زبان اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہ خود اپنی جگہ ایک اعجاز ہے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا اعجاز القرآن کے نئے نئے پہلو سامنے آتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں گے کہ یہی کتاب برحق ہے۔

۵۔ قرآن کی زبان

آج سے کچھ سال قبل مصر کے ایک مسلمان طالب علم پیرس کی ایک یونیورسٹی میں تعلیم پا رہے تھے۔ وہاں ایک مستشرق ان کا استاد تھا۔ اس نے ایک دن ایک مسلمان طالب علم سے پوچھا: کیا تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ قرآن مجید ایک معجزہ ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! بالکل یہی سمجھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تم جیسے پڑھے لکھے آدمی کو جو یہاں یا کسی بڑی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہو تم کو تو کم از کم یہ نہیں کہنا چاہیے۔ مسلمان طالب علم نے اسے سمجھانا چاہا، اور سمجھانے کی غرض سے اس کے سامنے ایک تجویز رکھی۔ وہ یہ کہ ایسا کرتے ہیں کہ ہم 25،20 لوگ جو عربی زبان سے واقف ہیں ایک ایسے مضمون کی عربی میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہ مستشرق جو بہت بڑا عربی دان تھا اس بات کے لیے تیار ہو گیا اور ان سب نے قران مجید کی اس آیت کو منتخب کیا۔ یوم نقول لجهنم هل امتلات وتقول هل من مزيد۔[27] جس دن جہنم سے کہا جائے گا کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا ابھی اور کچھ ہے؟ ان تمام لوگوں نے اپنی اپنی عربی میں اس مضمون کو بیان کیا۔ کسی نے کہا جهنم كبيرة جداً کسی نے کہا، جهنم واسعة جداً، کسی نے لکھا جهنم لن تملا۔ یعنی مضمون یہ بیان کرنا تھا کہ جہنم کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ سب لوگوں نے اپنی پوری پوری

[27] ۔ القرآن، ۵۰:۳۰

زبانی دانی خرچ کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت سامنے رکھی اور بتایا کہ اس مضمون کو جس انداز سے قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس کی وفصاحت وبلاغت کی مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ قرآن مجید کے اس اسلوب کا مقابلہ ممکن نہیں ہے۔[28] "وحی" واضح عربی زبان میں تھی۔ اس بات کو سورۃ النحل آیت نمبر 103، سورۃ الشعراء آیت نمبر 95، اور سورۃ حم السجدہ آیت نمبر ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے۔[29] اور یہ کہ قرآن اور عربی شاعری کا فرق اعراب کے مسئلہ کے ختم ہونے کے بعد سامنے آیا یہ فرق ماہر لسانیات نے متعارف کروایا جب کہ (Noldeke) نولڈیکے اور (Schwally) شوالی یہ دلائل سامنے لاتے ہیں کہ قرآن کی زبان کسی خاص قبیلے کی عام بول چال میں استعمال ہونے والی زبان نہ تھی۔ اس کو شاعرانہ زبان اور عربی زبان کا نام دیا گیا۔[30] ۱۹۴۰ کے آخر میں تین یورپی مصنفین (Richerd Blachere) رچرڈ باسٹر (C. Rabin) سی ربین اور ایش فلیسر (H.Flescher) ظاہرہ اور آزادانہ نتیجہ پر پہنچے کہ قرآن کا انداز بیان عام عربی زبان سے مختلف اور قریشی لہجہ کے مطابق تھا۔[31]۔ جان وان برو (John Wanbrough) نے اپنی کتاب Dhramic Studies میں ایک قابل عمل شاعرانہ انداز اور عربی نظریاتی انداز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[32] اس کے مطابق قرآنی متن پر قدیم عربی ادب کو برتری حاصل ہے۔[33]

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں بعض ظاہر بین معترضین اعتراض جڑ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید اگر تمام انسانوں کے لیے ہے تو آخر اس میں عربوں کا اتنا تذکرہ کیوں آیا ہے۔ یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہ ہوا گر عربوں کے اس تذکرہ کی اصل وجہ اور حکمت پر نظر رہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب عرب تھے۔ انھی کو دوسری اقوام کے لیے حامل قرآن بنانا تھا۔ انھوں نے قرآن پاک پر جو اعتراضات کیے اول تو اس طرح کے اعتراضات انسان بعد میں بھی کرتا آیا ہے ان سب اعتراضات کا جواب قرآن مجید میں موجود ہے۔[34]

28۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ص: ۲۷۴-۲۸۰

29۔ A.T Welch, Encyclopedia , Kur'an, vol-3,P.419

30۔ Noldeke, Geschdes Qor, vol.1, P.59

Hirsch field , New Research into the composition and exqesis of the Qur'an , Vol. II, P.59

31۔ A.T Welch, Encyclopedia of Islam , Kur'an, vol-v,P.419

C.R Abin, The Beginning of Classical Arabic, in St. Isl, 1955, vol.iv,P.19-37

32 ۔ Wansbrough, John, Quranic Studies, Oxford University Press, 1977, P.118-85

33۔ J.Fuck ,Arabia, Berlin, N.D, P.1-5 & 95

34۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ص: ۳۰۹، ۳۱۱

6) قسم قرآنیہ

مشہور مستشرقہ (A.T Welch) اے ٹی ویلش کے مطابق قسم قرآنیہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔[35]

1۔ جب آیات میں یقین دہانی فرمائی جائے۔

2۔ آیات میں یقین دہانی نہ پائی جائے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے محاضرات قرآنی میں قسم اور مستشرقین کے اعتراضات کے حوالہ سے بات کی ہے۔

ان کے بقول بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے اور اسلوب بیان میں شدت پیدا کرنے کے لیے قسم کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بعض جگہ صرف توجہ دلانے کے لیے قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔

کفار مکہ قسم پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہی اعتراض بعد میں مستشرقین نے بھی کیا اور آج کل کے مغربی مفکرین بھی کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ قسم تو وہ کھاتا ہے جس کو لوگ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی بات منوانے کی خاطر قسم کھاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو آخر قسم کھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ایک اعتراض جو آج کل مستشرقین کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان جس چیز کی قسم کھاتا ہے اس چیز کی عظمت کا تصور اس کے دل میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ کوئی ماں کی قسم کھاتا ہے، کوئی بتوں کی قسم کھاتا ہے اور کوئی خدا کی اور کوئی رسول کی قسم کھاتا ہے۔ غرض کہ جس کی بھی قسم کھائیں اس کی عظمت کا احساس پہلے سے قسم کھانے والے کے دل میں ہوتا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی عظمت کیوں بیان کر رہا ہے، اور یہ کہ یہ بات کی ذات پاک کے شایان شان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات وہی لوگ کہیں گے جو قرآن مجید کو آسمانی کتاب نہیں مانتے۔ نہ کفار مکہ مانتے تھے اور نہ آج کے مستشرقین مانتے ہیں۔

لیکن یہ اسباب جو قسم کے لیے اوپر بیان کئے ہیں یہ اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ قرآن مجید میں قسمیں کیوں بیان ہوئی ہیں۔ پھر مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ منکر کے لیے قسم بے کار ہے اور مومن کے لیے غیر ضروری۔ مسلمان کے لیے قسم کھانا ضروری نہیں اور منکر کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن یہ سارے اعتراضات اسی وقت وارد ہوتے ہیں جب یہ فرض کر لیا جاۓ کہ قسم صرف وہاں بولی جائے گی جہاں بات کو قسم کے بغیر مشکوک مانا جا رہا ہو۔ جب کہ بعض اوقات بات کو مشکوک سمجھے بغیر بھی زور دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بعض اوقات جن چیزوں کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ ان کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ والعصر زمانے کی قسم، یعنی زمانہ گواہ ہے کہ انسان خسارے میں ہے۔ زمانہ کس کو کہتے ہیں۔ انسان کی عمر کو زمانہ کہتے ہیں۔

---

35 ۔ A.T Welch, Encyclopedia of Islam , Kur'an, vol-v,P.421-22

بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے خاص تاریخی واقعات کا حوالہ دیا ہوتا ہے اور اس حوالہ کا انداز قسم کا ہوتا ہے۔ مثلاً والتین، والزیتون۔۔۔ اس بات پر اہل تفسیر عام طور پر متفق ہیں کہ اس سے کسی خاص پیغمبر کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہے۔[36]

خلاصہ بحث

اس مضمون میں مستشرقین کے قرآن پر اعتراضات اور ان کے جوابات ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب محاضرات قرآنی کی روشنی میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مستشرقین نے تاریخ قران کا اپنے مخصوص استشراقی طریقہ سے کام لے کر تاریخ قرآن کے بارے میں شبہات پیدا کیے اور اس طرح اس دین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح مستشرقین نے پوری کوشش کی کہ نص قرآن اور اس کی قراءتوں کے محفوظ ہونے میں شبہ پیدا کر دیں۔ اگر قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ پہلے کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہو گئی ہے تو خود اس کتاب میں تحریف ہے۔

سفارشات

۱۔ مستشرقین کو غیر جانبدار ہو کر تحقیق کرنی چاہیے۔ اور مسلمانوں کے خلاف تعصب سے بالاتر ہونا لازم ہے۔

۲۔ مستشرقین کے قرآن پر اعتراضات اور ان کے جوابات کو ڈاکٹر محمود احمد غازی کے فکر و تحقیق کی روشنی میں جاننے کی ضرورت ہے۔

36۔ غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، مئی ۲۰۰۸، اشاعت چہارم، ص:۳۰۸